Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 03, July - September 2026, **PP**: 116-136
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

قرآنی و مغربی تصورِ قومیت: منتخب تفاسیر کا تقابلی مطالعہ

The Qur'anic and Western Concept of Nationality: A Comparative Study of Selected Exegeses

1. Farzana Yamen fyameen222@gmail.com	*Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.*
2. Dr. Hafiz Muhammad Abdul Qayyum qayyum.is@pu.edu.pk	*Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.*

How to Cite:	Farzana Yamen and Dr. Hafiz Muhammad Abdul Qayyum. 2026: "The Qur'anic and Western Concept of Nationality: A Comparative Study of Selected Exegeses". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (03): 116-136.
Article History:	**Received**: 07-07-2026 / **Accepted**: 25-08-2026 / **Published**: 30-08-2026

Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

قرآنی ومغربی تصورِ قومیت: منتخب تفاسیر کا تقابلی مطالعہ

The Qur'anic and Western Concept of Nationality: A Comparative Study of Selected Exegeses

1. **Farzana Yamen**
   Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.
   fyameen222@gmail.com

2. **Dr. Hafiz Muhammad Abdul Qayyum**
   Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.
   qayyum.is@pu.edu.pk

Abstract

Nationalism is one of the most influential concepts in modern political and social thought, shaping collective identity, political allegiance, state sovereignty, and social organization. This study comparatively examines the Qur'anic and Western conceptions of nationalism with particular reference to selected Qur'anic commentaries and major Western theories of nation and nationalism. The Qur'anic perspective is analyzed through the concepts of Ummah, faith, human equality, moral responsibility, justice, brotherhood, and diversity, while the Western conception is explored through territory, language, shared history, cultural memory, political sovereignty, and national identity. Employing a comparative and analytical approach, the study evaluates the intellectual foundations, principles of unity, criteria of distinction, patterns of allegiance, and socio-political implications of both frameworks. The analysis demonstrates that the Qur'anic model establishes collective identity primarily on revelation, faith, moral values, justice, and universal human dignity, while modern Western nationalism largely derives its cohesion from historical, territorial, cultural, and political factors. The study concludes that although both frameworks seek social cohesion and collective organization, they differ significantly in their sources, ultimate objectives, conception of sovereignty, and foundations of communal identity.

Keywords: *Qur'anic Concept of Nationalism, Western Nationalism, Ummah, National Identity, Selected Tafasir, Sovereignty, Comparative Study.*

تعارف

انسانی اجتماع، باہمی تعلق، سیاسی نظم اور تہذیبی وابستگی کے مباحث تاریخِ فکر کے نہایت اہم موضوعات میں شمار ہوتے ہیں۔ قومیت کا تصور بھی انہی بنیادی مباحث میں شامل ہے جس نے جدید سیاسی، سماجی اور فکری تشکیل میں غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔ اسلامی تصورِ اجتماعیت کی اساس وحیِ الٰہی، اخلاقی ذمہ داری، عقیدۂ توحید اور انسانی اخوت پر قائم ہے، جبکہ مغربی قومیت کا ارتقا تاریخی تجربات، سیاسی معاہدات، نسلی شعور، جغرافیائی وحدت اور ریاستی اقتدار کے گرد وقوع پذیر ہوا۔ اس بنا پر دونوں تصورات کے فکری مآخذ، مقاصد، حدود اور نتائج میں نمایاں تفاوت دکھائی دیتا ہے۔ قرآنی تصور انسان کو ایک وسیع تر اخلاقی و ایمانی برادری کا رکن قرار دیتا ہے، جبکہ جدید مغربی قومیت ریاستی خود مختاری اور قومی شناخت کو بنیادی مرکزیت عطا کرتی ہے۔ یہی اختلاف بعد ازاں حاکمیت، وفاداری، شناخت اور وابستگی کے مختلف تصورات کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید انسانی معاشرے کی تشکیل کو

رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ سے ماورا اخلاقی و روحانی بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔

انسانی وحدت، مساوات اور باہمی تعارف کے اصول کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔[1]

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

اس قرآنی ترتیب میں شعوب و قبائل کا ذکر شناختی ضرورت کے طور پر وارد ہوا ہے، جبکہ فضیلت و برتری کا معیار تقویٰ قرار پایا۔ اسی آیت میں نسبی تفاخر کی نفی اور انسانی مساوات کی توضیح کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

قوله: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى هُمَا آدَمُ وَحَوَّاءُ، وَالْمَقْصُودُ أَنَّهُمْ مُتَسَاوُونَ لِاتِّصَالِهِمْ بِنَسَبٍ وَاحِدٍ، وَكَوْنِهِ يَجْمَعُهُمْ أَبٌ وَاحِدٌ وَأُمٌّ وَاحِدَةٌ، وَأَنَّهُ لَا مَوْضِعَ لِلتَّفَاخُرِ بَيْنَهُمْ بِالْأَنْسَابِ، وَقِيلَ: الْمَعْنَى: أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مِنْ أَبٍ وَأُمٍّ، فَالْكُلُّ سَوَاءٌ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ الشُّعُوبُ جَمْعُ شَعْبٍ بِفَتْحِ الشِّينِ، وَهُوَ الْحَيُّ الْعَظِيمُ، مِثْلُ مُضَرَ وَرَبِيعَةَ، وَالْقَبَائِلُ دُونَهَا كَبَنِي بَكْرٍ مِنْ رَبِيعَةَ، وَبَنِي تَمِيمٍ مِنْ مُضَرَ۔[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان: 'اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا'، اس سے مراد آدم اور حوا علیہا السلام ہیں۔ اور اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ تمام انسان ایک ہی نسب سے جڑے ہونے کی وجہ سے آپس میں بالکل برابر ہیں، اور یہ کہ ان سب کو ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں جمع کرتی ہے؛ چنانچہ ان کے درمیان نسب کی بنیاد پر فخر و برتری کا کوئی جواز ہی موجود نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے: تم میں سے ہر ایک فرد (فطری طور پر) ایک باپ اور ایک ماں ہی سے پیدا ہوا ہے، پس سب کے سب برابر ہیں۔ 'اور ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل بنایا'، یہاں 'الشعوب' شین کے زبر کے ساتھ شعب کی جمع ہے، اور اس سے مراد انسانوں کا وہ بڑا قبیلہ یا گروہ ہے (جس کا نسب آگے کسی بڑے نام پر ختم ہو) جیسے قبیلہ مضر اور ربیعہ؛ اور 'القبائل' اس سے کم درجے کے ذیلی خاندان ہیں جیسے ربیعہ کی ایک شاخ بنی بکر، اور مضر کی ایک شاخ بنی تمیم۔

لہٰذا امام فخر الدین رازی کا یہ کلامی و تفسیری استدلال جدید سیاسی و نسلی قوم پرستی (Ethno-nationalism) کی جڑوں پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ رازی واضح کرتے ہیں کہ انسانوں کے درمیان حیاتیاتی اور مادی سطح پر کامل برابری (المساواة المطلقة) پائی جاتی ہے کیونکہ سب کا سرچشمہ ایک ہی ماں باپ ہیں۔ معاصر تفسیری ادب کے تناظر میں یہ نکتہ انتہائی اہم ہے؛ جہاں جدید مغربی افکار نے انسانوں کو نسل، رنگ اور قومیتوں کے خانوں میں بانٹ کر مادی فخر و غرور کی بنیادیں استوار کیں، وہاں قرآن نے "شعوب و قبائل" کی جاہلی عصبیت کو مٹا کر اسے محض ایک انتظامی اور شناختی ضرورت تک محدود کر دیا۔ جب مادی بنیادوں پر فخر کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا، تو امت کے اندر اجتماعی وحدت کا معیار مٹی یا خون کے بجائے خالصتاً ایک اخلاقی و اعتقادی اصول (تقویٰ) بن کر ابھرتا ہے۔

امت کی اعتقادی وحدت اور مشترک ربوبیت کی بنیاد واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الأنبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔[3]

بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو میری عبادت کرو۔

قرآنی تصورِ اجتماعیت میں انسانی رشتہ باہمی تعاون، عدل، اخوت اور ذمہ داری کے معیارات کے ساتھ مربوط دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی معاشرہ عقیدہ، اخلاق اور قانون کی ہم آہنگی سے وجود پاتا ہے، جس میں وحدت کا سرچشمہ وحیِ الٰہی قرار پاتا ہے۔ مغرب میں قومیت کا جدید تصور نشاۃ ثانیہ، اصلاحِ مذہب، ویسٹ فیلیا کے معاہدات اور فرانسیسی انقلاب کے فکری و سیاسی اثرات کے نتیجے میں تشکیل پایا۔ اس تصور میں مذہبی وابستگی کی جگہ قومی شناخت اور ریاستی خود مختاری نے حاصل کی۔ مغربی مفکرین (رینان، اینڈرسن اور کوہن) کا یہ فکری تسلسل واضح کرتا ہے کہ جدید مغربی قومیت (Nationalism) کوئی الہامی یا عالمگیر آفاقی ضابطہ نہیں، بلکہ ایک تاریخی اور نفسیاتی ساخت (psychological construct) ہے۔ رینان جہاں اسے مشترک یادداشتوں کا "روحانی اصول" کہتا ہے، وہاں اینڈرسن اس کے سیاسی پہلو کو بے نقاب کرتے ہوئے اسے ایک "تصوراتی برادری (imagined community)" قرار دیتا ہے جو لازمہ کے طور پر مخصوص مادی سرحدوں کی پابند (inherently limited) ہوتی ہے۔ کوہن اس نفسیاتی دائرے کو مکمل کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ اس پورے نظام کا حتمی ہدف فرد کی "اعلیٰ ترین وفاداری" کو خدا یا اخلاقی اصولوں کے بجائے "قومی ریاست" کے مادی وجود کا پابند بنانا ہے۔ معاصر تفسیری ادب کے تقابلی اور تنقیدی سیاق میں یہ مغربی ماڈل قرآنی تصورِ "امت" اور "ملت" کے بالکل متضاد رخ پر کھڑا نظر آتا ہے۔ قرآن مجید جہاں رنگ، زبان اور سرزمین کے تنوع کو محض ایک فطری تعارف (لتعارفوا) کی حد تک قبول کرتا ہے، وہاں جدید مغربی قومیت انہی مادی عناصر کو تقدس کا درجہ دے کر انہیں حاکمیت کا محور بنا دیتی ہے۔ اسلام انسان کے اجتماعی شعور اور وفاداری کو کسی محدود متخیلہ جغرافیے یا ریاستی مشینری کا اسیر کرنے کے بجائے وحی، توحید اور عالمگیر اخلاقی و اعتقادی اصولوں سے وابستہ کرتا ہے، تاکہ انسانیت مٹی اور خون کی جاہلی عصبیتوں سے آزاد ہو کر ایک حقیقی آفاقی برادری میں سانس لے سکے۔ مغربی قومیت کے ارتقا میں زبان، سرزمین، مشترک تاریخ، ثقافتی یادداشت اور سیاسی اقتدار مرکزی عناصر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہی عوامل بعد ازاں قومی ریاست کے استحکام اور جدید بین الاقوامی نظام کی تشکیل میں مؤثر ثابت ہوئے۔ اسلامی تصورِ اجتماعیت اور مغربی قومیت کے مآخذ میں بنیادی نوعیت کا فرق پایا جاتا ہے۔ اسلامی فکر میں اصل ماخذ وحیِ الٰہی، قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ہیں، جبکہ مغربی قومیت تاریخی تجربات، سیاسی فلسفہ، سماجی معاہدے اور قومی تحریکات کے فکری ارتقا سے اخذ شدہ تصور ہے۔ اسلامی اجتماعیت کی فوق قومی اور عالمگیر نوعیت کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

> "Islam has rather been fortunate in discarding, from the very first day, differences of race and colour, country and language, in favour of the universal brotherhood of the Faithful".[4]
>
> اسلام (دنیا کے تمام دینی و سیاسی نظاموں میں) اس لحاظ سے خوش قسمت رہا ہے کہ اس نے بالکل پہلے ہی دن سے، نسل اور رنگ، ملک اور زبان کے باہمی اختلافات کو یکسر مسترد کر دیا، اور ان کے مقابلے میں اہل ایمان کے ایک عالمگیر بھائی چارے (Universal Brotherhood) کو قائم کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور انتھونی اسمتھ کے افکار کا یہ تقابل دونوں نظاموں کے فکری ماخذ (Origins) کے بنیادی جوہر کو واشگاف کرتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ واضح کرتے ہیں کہ اسلامی اجتماعیت کسی تاریخی مجبوری یا ارتقائی عمل کا عارضی نتیجہ نہیں تھی، بلکہ اس نے اپنے مآخذ (وحی الٰہی) کی بنیاد پر پہلے ہی دن سے رنگ، نسل، زبان اور مٹی کے بتوں کو پاش پاش کر کے ایک "فوق القومی" (Transnational) نظریاتی برادری تشکیل دی۔ اس کے برعکس، انتھونی اسمتھ جس نسلی اور ثقافتی قومیت (Ethno-symbolism) کا مقدمہ پیش کرتے ہیں، اس کا تمام تر دارومدار ہی مشترک اساطیر (myths)، موروثی جاہلی حافظے اور نسلی شعور کے مادی بندھنوں پر

ہے۔ جہاں مغربی قومیت کا ماخذ انسانی تجربہ ہونے کی وجہ سے انسانوں کو زمین کی حدود اور ماضی کے تعصبات کا قیدی بناتا ہے، وہاں اسلامی اجتماعیت کا آسمانی سرچشمہ انسان کو آفاقی وسعت دے کر ایک ایسے ہمہ جہت اور عادلانہ سیاسی و سماجی رویے کی طرف لے جاتا ہے جہاں ترجیح مادی غلبے کو نہیں بلکہ اخلاقی و اعتقادی وحدت کو حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی فکر میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ حاکمیتِ اعلیٰ کے الٰہی سرچشمے کو قطعی طور پر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ یوسف میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔[5]

حکم و اقتدار کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔

اس آیت میں حاکمیتِ الٰہی کی مطلق حیثیت کی توضیح کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

أي لا حاكم إلا الله ولا معقب لحكمه۔[6]

حاکمِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فیصلے پر کوئی نظرِ ثانی کرنے والا نہیں۔

اسلامی شناخت ایمان، عقیدہ اور امت سے وابستہ ہے۔ اس کے برعکس جدید مغربی قومیت میں شناخت کا تعلق قوم، ریاست، زبان اور ثقافتی ورثے سے جوڑا جاتا ہے۔ مغربی سیاسی فکر میں عوامی ارادے کو حاکمیت کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے ژاں ژاک روسو لکھتے ہیں:

"Sovereignty resides essentially in the general will." [7]

حاکمیت بنیادی طور پر اجتماعی عوامی ارادے میں مضمر ہوتی ہے۔

لہٰذا اس تقابلی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تصورِ اجتماعیت میں حاکمیت کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ، شناخت کا محور ایمان اور وابستگی کا سرچشمہ امتِ مسلمہ ہے، جبکہ مغربی قومیت میں ریاست، قوم اور قومی مفاد بنیادی حوالوں کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ دونوں فکری نظاموں کے مابین یہی بنیادی امتیازات ان کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی نتائج کی سمت متعین کرتے ہیں۔

وحدت کے اصول: اُمت اور نیشن کا تقابلی مطالعہ

انسانی اجتماع کی تشکیل کے لیے کسی نہ کسی مرکزِ وحدت کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ یہی مرکز افراد کو باہمی ربط، اجتماعی شعور اور مشترکہ مقاصد کے دائرے میں منظم کرتا ہے۔ تاریخِ انسانی میں مختلف تہذیبوں اور معاشروں نے وحدت کے متنوع اصول اختیار کیے جن میں نسل، زبان، علاقہ، ثقافت، مذہب اور سیاسی مفادات نمایاں رہے۔ اسلامی فکر نے وحدتِ انسانی کے لیے عقیدہ، اخلاق اور الٰہی ہدایت کو بنیاد بنایا، جبکہ جدید مغربی سیاسی فکر میں قوم اور ریاست کی تشکیل جغرافیہ، مشترکہ تاریخ، سیاسی اقتدار اور قومی مفادات کے گرد استوار ہوئی۔ اسی اختلاف نے اُمت اور نیشن کے تصورات کو جداگانہ فکری جہات عطا کیں، جن کے اثرات اجتماعی شناخت، سیاسی وفاداری اور تہذیبی وابستگی کے مختلف مظاہر میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں اُمت کا تصور محض سماجی یا سیاسی اجتماع کی تعبیر نہیں بلکہ عقیدہ، اخلاق اور روحانی وابستگی کے جامع نظام کا مظہر ہے۔

ایمانی اخوت کو امت کے باہمی تعلق کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔[8]

مؤمن تو آپس میں بھائی ہیں۔

ایمانی بھائی چارے کی قوت اور اصلاحِ باہمی کی ذمہ داری واضح کرتے ہوئے علامہ بقاعی لکھتے ہیں:

﴿بين أخويكم﴾ أي المختلفين بقتال أو غيره كما تصلحون بين أخويكم من النسب، إلا تفعلوه

تكن فتنة في الأرض وفساد كبير، بل الأمر كما نقل عن أبي عثمان الحيري أن أخوة الدين أثبت من أخوة النسب، وقرأ يعقوب ﴿إخوتكم﴾۔[9]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ: 'اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرواؤ'، یعنی ان دو فریقوں کے درمیان جو جنگ یا کسی اور وجہ سے باہم اختلاف کا شکار ہوں؛ بالکل اسی طرح صلح کرواؤ جیسے تم اپنے سگے نسبی بھائیوں کے درمیان صلح کرواتے ہو، کیونکہ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ بلکہ معاملہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا ابو عثمان الحیری سے نقل کیا گیا ہے کہ: 'دینی بھائی چارہ (ایمانی اخوت) نسبی بھائی چارے سے کہیں زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے'۔ اور امام یعقوب نے اسے 'اِخوتکم' (جمع کے صیغے کے ساتھ) پڑھا ہے۔

امت کے اتحاد اور تفرقے سے اجتناب کا اصول بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔[10]

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

قرآن وسنت کے ساتھ اعتصام کو وحدتِ امت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اسحاق بن عبد اللہ السعدی لکھتے ہیں:

معنى الاعتصام بالكتاب والسنة وأدلة وجوبه لقد أمر الله الأمة بالاجتماع واتحاد الكلمة وجمع الصف على أن يكون أساس هذا الاجتماع الاعتصام بالكتاب والسنة، ونهى عن التفرق وبين خطورته على الأمة في الدارين. ولتحقيق ذلك أمرنا بالتحاكم إلى كتاب الله تعالى في الأصول والفروع ونهينا عن كل سبب يؤدي إلى التفرق۔[11]

قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھامنے (اعتصام) کا مفہوم اور اس کے وجوب کے دلائل یہ ہیں کہ؛ اللہ تعالیٰ نے امت کو باہمی اجتماع، اتحادِ کلمہ اور صفوں کو متحد رکھنے کا حکم دیا ہے، بشرطیکہ اس اجتماع کی حقیقی بنیاد قرآن اور سنتِ نبوی کو مضبوطی سے تھامنا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے تفرقے سے منع فرمایا اور دونوں جہانوں میں امت پر اس کے خطرناک اثرات کو واضح کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اصول اور فروع دونوں میں اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرنے (تحکیم) کا حکم دیا گیا ہے، اور ہمیں ہر اس سبب سے روک دیا گیا ہے جو تفرقہ بازی کی طرف لے جاتا ہو۔

اعتصام کا حکم امت کو دین کے اصولوں اور مقاصد پر مجتمع رکھنے کی دعوت ہے۔ چنانچہ برہان الدین البقاعی اور معاصر علمی افکار کا یہ امتزاج واضح کرتا ہے کہ قرآنی فکر میں "ایمانی اخوت" اور "وحدتِ امت" کوئی عارضی سیاسی معاہدہ نہیں، بلکہ ایک ابدی اور ٹھوس حقیقت ہے جس کی بنیاد مادی جڑوں پر نہیں بلکہ وحیِ الٰہی پر ہے۔ علامہ بقاعی کا ابو عثمان الحیری کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ "دینی بھائی چارہ نسبی بھائی چارے سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے"، جدید وطنی و نسلی قومیتوں (Nationalism) کے منہج کو چیلنج کرتا ہے؛ کیونکہ جدید قومیتیں انسانوں کو مٹی اور خون کے عارضی رشتوں میں باندھتی ہیں، جبکہ اسلام انہیں ایک لافانی اعتقادی بندھن میں جوڑتا ہے۔ اسی طرح، "اعتصام بحبل اللہ" کا یہ تقاضا واضح کرتا ہے کہ امت کا حقیقی اتحاد تب ہی ممکن ہے جب اس کا مرکز و محور الہامی اصول (قرآن وسنت) ہوں؛ اگر یہ مرکز ہٹ جائے اور اس کی جگہ مادی مفادات یا جغرافیائی عصبیتیں لے لیں، تو معاشرہ داخلی انتشار اور فتنے کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی طرف بقاعی نے "فتنة في الارض وفساد كبير" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔

اہلِ ایمان کے باہمی تعلق میں محبت، رحمت اور ہمدردی کی جامع مثال بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ[12]

مؤمنوں کی باہمی محبت، رحمت اور شفقت کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔

اس تصور میں دینی وابستگی اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ مربوط دکھائی دیتی ہے۔ افراد کی انفرادی حیثیت اجتماعی مصالح اور دینی مقاصد کے ساتھ پیوست رہتی ہے، جس سے اُمت کا تصور روحانی اور اخلاقی معنویت کا حامل بن جاتا ہے۔ جدید مغربی فکر میں نیشن کا تصور بنیادی طور پر مشترک سرزمین، سیاسی اقتدار، تاریخی شعور اور قومی مفادات کے گرد تشکیل پاتا ہے۔ قومی ریاست کے ارتقا کے ساتھ جغرافیہ اور اقتدار کو اجتماعی وحدت کے بنیادی عناصر کی حیثیت حاصل ہوئی۔ نیشن اور سیاسی وحدت کے باہمی انطباق کو قوم پرستی کا بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے ارنسٹ گلنر لکھتے ہیں:

"Nationalism is primarily a political principle, which holds that the political and the national unit should be congruent. Nationalism as a sentiment, or as a movement, can best be defined in terms of this principle. Nationalist sentiment is the feeling of anger aroused by the violation of the principle, or the feeling of satisfaction aroused by its fulfilment. A nationalist movement is one actuated by a sentiment of this kind." [13]

قوم پرستی بنیادی طور پر ایک سیاسی اصول ہے، جس کا ماننا یہ ہے کہ سیاسی وحدت (حکومت / ریاست) اور قومی وحدت (عوام / ثقافت) کو ایک دوسرے کے عین مطابق اور ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ ایک جذبے یا ایک تحریک کے طور پر قوم پرستی کی بہترین تعریف اسی اصول کے تناظر میں کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ قومی جذبہ دراصل اس غصے یا بے چینی کا نام ہے جو اس اصول کی خلاف ورزی (مثلاً کسی بیرونی طاقت کے تسلط) سے پیدا ہوتا ہے، یا پھر یہ اس طمانیت اور سکون کا نام ہے جو اس اصول کی تکمیل (اپنی الگ قومی ریاست کے حصول) سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ایک قوم پرستانہ تحریک وہ ہوتی ہے جو اسی قسم کے جذبے کے تحت متحرک ہوتی ہے۔

مشترک تاریخ اور سرزمین کو قومیت کی تشکیل کے اہم عناصر قرار دیتے ہوئے ہنس کوہن لکھتے ہیں:

"Nationality is a group united by a common history and a common territory." [14]

قومیت ایسے گروہ کا نام ہے جو مشترک تاریخ اور مشترک سرزمین سے وابستہ ہو۔

جدید یورپ میں ریاست اور قوم کے باہمی اتصال نے سیاسی وفاداری کو جغرافیائی حدود کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اسی تناظر میں قومیت نے قومی مفادات، ریاستی خودمختاری اور سرحدی تحفظ کو بنیادی حیثیت عطا کی۔ قومی شناخت میں سرزمین، اساطیر، اجتماعی یادداشت اور عوامی ثقافت کی مرکزیت واضح کرتے ہوئے انتھونی ڈی اسمتھ لکھتے ہیں:

"Territory, common myths, shared memories and public culture form the core of national identity." [15]

سرزمین، مشترک تاریخی روایات، اجتماعی یادداشت اور عوامی ثقافت قومی شناخت کے بنیادی عناصر ہیں۔

اس فکری روایت میں اجتماعی وحدت کا سرچشمہ قومی ریاست اور اس سے وابستہ سیاسی و ثقافتی شعور قرار پاتا ہے، جس کے نتیجے میں وطن اور قوم ریاستی وفاداری کے بنیادی مراجع بن جاتے ہیں۔ اسلامی اور مغربی تصوراتِ اجتماعیت کے مابین بنیادی فرق اس امر میں نمایاں ہوتا ہے کہ وحدت کا مرکزی حوالہ کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر میں عقیدہ مرکزِ اجتماع ہے جبکہ جدید قومیت وطن اور قومی سرحدوں کو مرکزیت عطا کرتی ہے۔ مہاجرین و انصار کے تعلق میں ایمان کو جغرافیہ پر مقدم کرنے کی عملی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ

تعالیٰ سورۃ الحشر میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ۔[16]

اور جنھوں نے ان مہاجرین سے پہلے مدینہ اور ایمان کو اختیار کیا، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے۔

اسلامی رشتۂ اخوت کو نسبی اور خونی تعلق سے قوی تر قرار دیتے ہوئے علامہ صابونی رقم طراز ہیں کہ اور (اس مینوفیسٹو کے بعد) اسلام کا باہمی جوڑ اور تانا بانا نسب کے تانے بانے سے کہیں زیادہ طاقتور ہو گیا، اور دین کا تعلق خون کے تعلق پر غالب آگیا۔ چنانچہ تمام مسلمان (جغرافیائی سرحدوں سے ماورا) ایک واحد جسم کی طرح اور ایک ایسی مضبوط دیوار کی مانند ہو گئے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو طاقت پہنچاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جدید قومیت میں وطن بطور مرکزِ وحدت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

قوم کی مادی و تاریخی تشکیل کے بنیادی عناصر بیان کرتے ہوئے جوزف اسٹالن لکھتے ہیں:

"A nation is a historically constituted, stable community of people, formed on the basis of a common language, territory, economic life, and psychological make-up manifested in a common culture." [17]

قوم تاریخی طور پر وجود میں آنے والی انسانی معاشرے کی ایک ایسی مستحکم برادری (community) کا نام ہے، جو مشترک زبان، مخصوص سرزمین (جغرافیہ)، مروجہ معاشی زندگی، اور ایک ہی ثقافت میں ظاہر ہونے والی مشترک نفسیاتی ساخت کی بنیاد پر تشکیلی مراحل طے کرتی ہے۔

لہٰذا علامہ صابونی اور جوزف اسٹالن کے ان بیانات کا تقابل دو متضاد کائناتی فلسفوں "اعتقادی آفاقیت" اور "تاریخی مادیت" کے جوہری فرق کو واضح کرتا ہے۔ اسٹالن کا مارکسی قومیت کا یہ کلاسک ماڈل انسانی اجتماعیت کو خالص مادی آخذ (زبان، سرزمین اور معاشی بقا) کا مرہونِ منت قرار دیتا ہے، جہاں انسان مٹی اور معاش کی لکیروں سے باہر نکل ہی نہیں سکتا۔ اس کے برعکس، علامہ صابونی کا تفسیری استدلال یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے مٹی اور خون کے ان مادی بتوں ("لحمۃ النسب" اور "رابطۃ الدم") کو توڑ کر ایک رُوحانی اور آفاقی برادری (جسدِ واحد) تخلیق کی، جس کا مرکزہ کوئی مادی یا معاشی مفاد نہیں بلکہ خالصتاً توحیدی عقیدہ ہے۔ جہاں اسٹالن کا ماڈل انسانوں کو طبقاتی اور جغرافیائی حدود میں بانٹتا ہے، وہاں اسلامی اخوت مادی ناہمواریوں سے اوپر اٹھ کر ایک عالمگیر نظریاتی یکجہتی کا نظام پیش کرتی ہے۔ اسلامی تصور میں وطن محبت اور تمدنی وابستگی کا مظہر رہتا ہے، مگر اجتماعی وفاداری کی آخری بنیاد ایمان اور دینی اقدار کو حاصل ہوتی ہے، جبکہ قومیت میں یہی مقام قومی سرزمین اور ریاستی مفاد کو عطا کیا جاتا ہے۔ اجتماعیت کی تشکیل کے اصولوں کا تقابلی مطالعہ دونوں نظاموں کے فکری مزاج کو نمایاں کرتا ہے۔ اسلامی تصورِ اُمت میں وحدت کا سرچشمہ وحی، عقیدہ، اخلاق اور مشترک دینی ذمہ داری ہے۔ اس کے برعکس نیشن کی تشکیل میں جغرافیہ، ثقافت، زبان، سیاسی اقتدار اور تاریخی شعور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلامی برادری کی نسلی اور جغرافیائی حدود سے ماوراحیثیت واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

"Islam established a community transcending territorial and racial barriers." [18]

اسلام نے ایسی برادری کی تشکیل کی جو نسلی اور جغرافیائی حدود سے بلند تر حیثیت رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُمت کی تشکیل عقیدے اور اخلاقی نصب العین کے گرد وقوع پذیر ہوتی ہے جبکہ نیشن کی تشکیل سیاسی اقتدار، مشترک سرزمین اور تاریخی شعور کے عناصر سے وابستہ رہتی ہے۔ دونوں تصورات انسانی اجتماع کو منظم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تاہم ان کے مآخذ، مقاصد اور اصولِ وحدت میں نمایاں فکری تفاوت موجود رہتا ہے۔

انسانی مساوات اور امتیاز کا تصور

انسانی مساوات اور امتیاز کا مسئلہ سماجی فلسفے، سیاسی نظریات اور مذہبی تعلیمات کے بنیادی مباحث میں شمار ہوتا ہے۔ ہر تہذیب نے انسانوں کے مابین تعلق، برابری اور فضیلت کے معیارات متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی فکر میں انسان کی اصل قدر و منزلت اس کے اخلاقی اور روحانی مقام سے وابستہ ہے، جبکہ جدید مغربی نظریات میں مساوات، شہریت، قومی شناخت اور ثقافتی وابستگی کے مختلف تصورات نے انسانی تعلقات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قرآنی تعلیمات انسانی وحدت اور فطری تنوع کے درمیان ایک متوازن ربط قائم کرتی ہیں، جبکہ جدید قومیت بعض اوقات مشترک ثقافتی یا قومی شناخت کو اجتماعی امتیاز کا مرکز قرار دیتی ہے۔ اسی پس منظر میں مساوات، فضیلت، تنوع اور عالمگیریت کے مباحث کو سمجھنا فکری اور تہذیبی تقابل کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید انسانی مساوات کو تخلیقی وحدت کی بنیاد پر استوار کرتا ہے اور فضیلت کا معیار نسب، نسل، رنگ اور زبان کے بجائے تقویٰ اور اخلاقی برتری کو قرار دیتا ہے۔ انسانی مساوات اور فضیلت کے اخلاقی معیار کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔[19]

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حسب، نسب اور عصبیت کو معیارِ فضیلت ماننے کی نفی کرتے ہوئے عبد القادر عودہ لکھتے ہیں:

لقد وضع الإسلام الأحساب والأنساب ولم يجعل لهم في ميزان التفاضل نصيبًا، وحطم العصبية والجنس ولم يجعل لهما في الإسلام شأنًا، وأقام التفاضل على الدين والعمل الصالح والتقوى، وجعل التفاخر بالأحساب والأنساب والعصبيات۔[20]

یقیناً اسلام نے (جاہلی) موروثی شرف اور حسب و نسب کی اہمیت کو گھٹا کر (یکسر ختم کر دیا) اور باہمی فضیلت کے ترازو میں ان کا کوئی حصہ نہیں رکھا۔ اس نے عصبیت اور نسلی قومیت کا قلع قمع کر دیا اور اسلام میں ان کی کوئی حیثیت برقرار نہ رہنے دی؛ بلکہ برتری اور فضیلت کی بنیاد خالصتاً دین، عملِ صالح اور تقویٰ پر استوار کی، اور حسب و نسب اور عصبیتوں پر فخر کرنے کو (ممنوع و جاہلیت) قرار دیا۔

معروف اسلامی قانون دان عبد القادر عودہ کی یہ سیاسی و تفسیری تعبیر جدید نسلی، لسانی اور وطنی قوم پرستی کی جڑوں کو فکری سطح پر اکھاڑ پھینکتی ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام کا سیاسی و سماجی نظام موروثی امتیازات یا مٹی اور خون کی عصبیتوں پر قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ معاصر تفسیری اور سیاسی ادب کے سیاق میں یہ استدلال اس لیے بے حد اہم ہے کیونکہ جدید 'نیشن اسٹیٹ (National State)' لازمہ کے طور پر کسی نہ کسی مادی عصبیت یا قومیت ("العصبیۃ والجنس") کو اپنی بقا کا محور بناتی ہے، جس سے انسانی معاشرہ تقسیم در تقسیم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، اسلام ان مادی بتوں کو پاش پاش کر کے ایک ایسا آفاقی اور عادلانہ نظام دیتا ہے جہاں انسان کا شرف اس کا مادی حسب نہیں، بلکہ اس کا اخلاقی کردار اور تقویٰ ہے۔ نسلی و لسانی تفاخر کی صریح نفی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى۔[21]

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

اسلامی تصورِ فضیلت کو دین، عملِ صالح اور تقویٰ سے وابستہ کرتے ہوئے عبد القادر عودہ لکھتے ہیں:

لقد وضع الإسلام الأحساب والأنساب ولم يجعل لهم في ميزان التفاضل نصيبًا، وحطم العصبية والجنس ولم يجعل لهما في الإسلام شأنًا، وأقام التفاضل على الدين والعمل الصالح والتقوى، وجعل التفاخر بالأحساب والأنساب والعصبيات۔[22]

یقیناً اسلام نے موروثی جاہ و جلال اور حسب و نسب کی مادی حیثیت کو گھٹا دیا (اور اسے مٹا دیا) اور انسانوں کے مابین برتری اور فضیلت کے ترازو میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھا؛ اس نے (جغرافیائی و نسلی) عصبیت اور نسل پرستی کو پاش پاش کر دیا اور اسلام میں ان کا کوئی مقام نہ رہنے دیا؛ بلکہ اس نے حقیقی برتری کی بنیاد صرف دین، عملِ صالح اور تقویٰ پر رکھی، اور حسب، نسب اور عصبیتوں پر فخر کرنے کو جاہلیت قرار دیا۔

عبد القادر عودہ کا یہ فکری مقدمہ اس نظریاتی کشمکش کو نمایاں کرتا ہے جو جدید نو آبادیاتی سیاسی فکر اور قرآنی تصورِ اجتماعیت کے درمیان پائی جاتی ہے۔ جدید یورپی سیاسی فلسفے میں جب 'ریاست' کو 'قومیت (Nationality) ' کے ساتھ منتھی کیا گیا، تو خون، رنگ، نسل اور مٹی ("الجنس والعصبیۃ") کو تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کے برعکس، اسلامی قانون اور قرآنی تعبیرات کے تناظر میں، معاشرے کی سیاسی یا سماجی بناوٹ مادی آخذ سے طے نہیں ہوتی۔ اسلام نے ان تمام مادی تفاخر کے بتوں کو پاش پاش کر کے اجتماعی وحدت کی اساس ایک ماورائے مٹی وماورائے خون اصول، یعنی "عقیدہ اور اخلاقی کردار" پر رکھی ہے۔ یہ اصول نہ صرف نسلی امتیازات کا خاتمہ کرتا ہے، بلکہ جدید سیکولر اور نسلی ریاستوں کے اس بیانیے کو بھی مسترد کرتا ہے جو مخصوص مادی آخذ کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان حقوق اور شہریت کی تفریق پیدا کرتے ہیں۔ اسلامی تصورِ مساوات میں انسان کی بنیادی حیثیت مشترک رہتی ہے جبکہ فضیلت کا مدار کردار، تقویٰ اور اخلاقی عظمت پر قائم ہوتا ہے۔ مغربی قومیت کے ارتقا میں نسلی، لسانی اور ثقافتی عناصر کو نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ جدید مغربی ریاستیں قانونی مساوات کے اصول کی داعی ہیں، تاہم قومی شناخت کی تشکیل میں مشترک ثقافت، تاریخ اور زبان کو بنیادی کردار حاصل رہا ہے۔

قومی شناخت کے تاریخی، ثقافتی، معاشی اور قانونی عناصر کی جامع تعریف پیش کرتے ہوئے انتھونی ڈی اسمتھ لکھتے ہیں:

"A nation, it was argued, is a named human population sharing an historic territory, common myths and historical memories, a mass, public culture, a common economy and common legal rights and duties for all members." [23]

یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ قوم دراصل ایک مخصوص نام رکھنے والی ایسی انسانی آبادی (معاشرے) کا نام ہے جو ایک تاریخی سرزمین (جغرافیہ)، مشترک اساطیر (myths) اور تاریخی یادداشتوں، ایک ہمہ گیر عوامی ثقافت، ایک مشترکہ معیشت، اور اپنے تمام ارکان کے لیے یکساں قانونی حقوق اور فرائض میں باہم شراکت دار ہو؛ (یعنی ان سب عوامل میں آپس میں جڑی ہوئی ہو)۔

قومی شعور و ارادے کو قومیت کے عناصر کو فعال بنانے والی قوت قرار دیتے ہوئے ہنس کوہن لکھتے ہیں:

"But only the newly aroused consciousness and will made these elements active and effective, fused them into a source of immense centripetal power, and gave them a new importance and meaning." [24]

لیکن وہ صرف (قومیت کا) نیا بیدار ہونے والا شعور اور ارادہ ہی تھا جس نے ان تمام (مادی و روایتی) عناصر کو متحرک اور مؤثر بنایا، انہیں ایک بہت بڑی مرکز مائل قوت (centripetal power) کے سرچشمے میں تبدیل کر دیا، اور انہیں ایک نئی اہمیت اور نیا معنی عطا کیا۔

انیسویں صدی کے یورپ میں قومیت کے متعدد تصورات نسلی اور لسانی بنیادوں سے وابستہ رہے۔ یوہان ہرڈر کے تصور میں زبان اور ثقافت کی مرکزیت کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل عبارت پیش کی گئی ہے:

"He emphasized the centrality of ethno-linguistically or religiously defined cultures in his conception of human history. He believed that these cultures alone provided a context for meaningful human action... With this contribution, Herder vitally shaped the discourse of early nationalism in Germany, in which linguistic-cultural identity rather than political subjecthood loomed largest." [25]

اس نے انسانی تاریخ کے بارے میں اپنے تصور میں نسلی-لسانی یا مذہبی طور پر متعین ثقافتوں کی مرکزیت پر زور دیا۔ اس کا ماننا تھا کہ صرف یہی ثقافتیں بامعنی انسانی عمل کے لیے حقیقی سیاق و سباق فراہم کرتی ہیں... اس فکری شراکت کے ساتھ، ہرڈر نے جرمنی میں ابتدائی قومیت کے بیانیے کو بنیادی شکل دی، جس میں سیاسی محکومیت یا شہریت کے بجائے لسانی و ثقافتی شناخت سب سے نمایاں ہو کر ابھری۔

بعض معاصر محققین نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ جدید قومیت اگرچہ قانونی مساوات کا دعویٰ کرتی ہے، تاہم قومی شناخت کے استحکام کے لیے ثقافتی امتیازات کو برقرار رکھنے کا رجحان بھی نمایاں رہتا ہے۔ اسلامی تعلیمات تنوع کو انسانی فطرت اور حکمتِ الٰہی کا مظہر قرار دیتی ہیں۔ اختلافِ زبان، رنگ اور نسل کو باہمی تعارف اور انسانی تکامل کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں شمار کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ۔[26]

اور اس کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی شامل ہے۔

لسانی ورنگی تنوع کو قدرتِ الٰہی کی نشانی قرار دیتے ہوئے علی بن عبد الخالق القرنی لکھتے ہیں:

هذه دعوة للتأمل في آيات الله، والتجول في صفحات هذا الكون وآياته ومعرفة عظمة الخالق فله في كل شيء آية يُعرف منها العظمة، والقدرة والتفرد والكمال.الماء والهواء، والليل والنهار، والشمس والقمر، والحيوان والنبات واختلاف الألسنة والألوان كلها آيات تلهج بذكر الله، وتدل على وحدانيته، فهل من معتبر؟[27]

یہ (قرآنی منہج) دراصل اللہ کی نشانیوں میں تدبر کرنے، اس کائنات کے صفحات اور اس کے مظاہر کی سیر کرنے، اور خالقِ کائنات کی عظمت کو پہچاننے کی ایک دعوت ہے۔ کیونکہ اس کائنات کی ہر ہر شے میں اس کی ایک ایسی نشانی موجود ہے جس سے اس کی عظمت، قدرت، یکتائی اور کمالِ مطلق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پانی اور ہوا، رات اور دن، سورج اور چاند، حیوانات اور نباتات، اور (انسانی معاشرے میں) زبانوں اور رنگوں کا باہمی اختلاف یہ سب کی سب ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ کی تسبیح و ذکر میں رطب اللسان ہیں اور اس کی توحید و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، تو کیا ہے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل کرنے والا؟

معاصر سعودی عالم اور خطیب شیخ علی القرنی کی یہ اثر انگیز تعبیر لسانی اور نسلی تنوع (Diversity) کو ایک بالکل مختلف کائناتی اور ایمانی تناظر میں پیش کرتی ہے۔ جہاں جدید مغربی قومیت ارنسٹ گیلنر یا یوہان ہرڈر کے بقول لسانی و نسلی تنوع کو سیاسی سرحدوں کی عصبیت، مادی غلبے اور "غیر" کی نفی کا ذریعہ بناتی ہے، وہاں اسلامی فکر میں یہ تنوع کائنات کی دیگر عظیم نشانیوں (جیسے چاند، سورج، رات اور دن) کی طرح توحید اور قدرتِ کاملہ کا ایک خوبصورت مظہر ہے۔ اسلامی تصور میں تنوع وحدت کے منافی نہیں بلکہ وحدت کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ مختلف نسلوں اور اقوام کے افراد ایک عقیدہ اور مشترک اخلاقی اقدار کے تحت مجتمع رہتے ہیں۔ اسلامی تصورِ اجتماعیت میں تنوع (Diversity) کبھی بھی وحدت (Unity) کے منافی نہیں رہا، بلکہ یہ اس وحدت کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔ اسلام مٹی، خون یا زبان کے فطری وجود کو مٹاتا نہیں، بلکہ ان مادی خصوصیات کو عصبیت کے درجے سے گرا کر محض تعارف کا ذریعہ بناتا ہے؛ تاکہ مختلف نسلوں اور زبانوں کے افراد اپنے تمام تر ظاہری تنوع کے باوجود ایک آفاقی عقیدے، مشترک الہامی قانون اور عالمگیر اخلاقی اقدار کے تحت "امتِ واحدہ" کے سانچے میں مجتمع رہیں۔ اس کے مقابلے میں جدید قومیت میں تنوع کے ساتھ تعلق مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ بعض قومی ریاستوں نے ثقافتی یکسانیت کو فروغ دیا جبکہ بعض نے کثیر الثقافتی نظام کو اختیار کیا۔ قوم کو گہری افقی رفاقت پر مبنی متخیلہ برادری قرار دیتے ہوئے بینیڈکٹ اینڈرسن لکھتے ہیں:

> "Finally, it is imagined as a community, because, regardless of the actual inequality and exploitation that may prevail in each, the nation is always conceived as a deep, horizontal comradeship." [28]
>
> آخری بات یہ کہ، قوم کا تصور ایک برادری (کمیونٹی) کے طور پر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس معاشرے میں موجود مروجہ ناہمواری اور استحصال سے قطع نظر، قوم کو ہمیشہ ایک گہری اور افقی رفاقت (برابری کے بھائی چارے) کے طور پر ہی سمجھا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ وہی جذباتی رفاقت اور اخوت ہے جس نے پچھلی دو صدیوں میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کے لیے یہ ممکن بنایا کہ وہ دوسروں کو مارنے کے لیے نہیں، بلکہ ان محدود تخیلات (محدود جغرافیائی وطن) کی خاطر خوشی خوشی اپنی جانیں قربان کر دیں۔

بینیڈکٹ اینڈرسن کا یہ کلاسک جملہ جدید قوم پرستی کی سب سے بڑی جادوئی اور نفسیاتی قوت کو بے نقاب کرتا ہے۔ وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ "نیشن" حقیقت میں کوئی مادی طور پر جڑا ہوا حقیقی خاندان نہیں ہے، بلکہ یہ ایک "متخیلہ برادری" (Imagined Community) ہے جہاں ایک عام شہری کو یہ یقین دلا دیا جاتا ہے کہ ملک کا سرمایہ دار اور ملک کا مزدور سب ایک برابر بھائی بھائی ہیں) جسے وہ horizontal comradeship کہتا ہے(۔ حالانکہ حقیقت میں اس قوم کے اندر شدید معاشی ناہمواری، طبقاتی نظام اور بیوروکریٹک استحصال (inequality and exploitation) موجود ہوتا ہے۔ اس تناظر میں اسلامی اجتماعیت تنوع اور وحدت کے درمیان ایسی ہم آہنگی پیدا کرتی ہے جس میں اختلافِ رنگ و نسل باعثِ نزاع نہیں بنتا، جبکہ قومی ریاستیں مختلف تاریخی حالات کے مطابق اس مسئلے سے نبرد آزما ہوتی رہی ہیں۔ اسلامی پیغام اپنے آغاز ہی سے عالمگیر مخاطب رکھتا ہے۔ اس کی دعوت کسی خاص نسل، علاقے یا قوم تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے پیش کی گئی ہے۔ رسالتِ محمدی ﷺ کی عالمگیر مخاطبت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ سبأ میں ارشاد فرماتا ہے:

> وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔[29]
>
> اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آیتِ مذکورہ میں رسالتِ محمدی ﷺ کے تمام انسانوں کے لیے عام ہونے کی توضیح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فيه ثلاثة أوجه: أحدها: يعني أنه رسول إلى كافة الناس أي إلى جميعهم، قال ابن عباس. الثاني: معناه أنك رسول الله إلى جميع الناس وتضمهم، ومنه كف الثوب لأنه ضم طرفيه. الثالث: معناه إنا أرسلناك كافًا للناس أي مانعًا لهم من الشرك وأدخلت الهاء للمبالغة۔[30]

اس (لفظِ کافۃ) میں تین پہلو ہیں: پہلا یہ کہ آپ تمام انسانوں کی طرف رسول ہیں، جیسا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ دوسرا یہ کہ آپ تمام انسانوں کو (اپنے دامنِ ہدایت میں) سمیٹنے والے ہیں، جو لغت کے محاورے 'کپڑے کو سمیٹنے' سے ماخوذ ہے کیونکہ اس کا مطلب کناروں کو باہم ملانا ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ ہم نے آپ کو انسانوں کو شرک سے روکنے والا (مانع) بنا کر بھیجا ہے، اور یہاں 'ہا' مبالغے کے لیے داخل کی گئی ہے۔

بعثتِ نبوی ﷺ کی عالمگیر رحمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الأنبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔[31]

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس عالمگیر تصور میں انسانی اخوت، اخلاقی ذمہ داری اور مشترک انسانی اقدار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے برعکس جدید قومیت کا مزاج بنیادی طور پر خصوصیت پسند ہے۔ قومی ریاست اپنی سرحدوں، مفادات اور مخصوص قومی شناخت کے تحفظ کو اولین ترجیح دیتی ہے۔ قوم پرستی کو سیاسی جواز اور نسلی وسیاسی حدود کی ہم آہنگی کے اصول سے تعبیر کرتے ہوئے ارنسٹ گلنر لکھتے ہیں:

"In brief, nationalism is a theory of political legitimacy, which requires that ethnic boundaries should not cut across political ones, and, in particular, that ethnic boundaries within a given state... should not separate the power-holders from the rest." [32]

مختصر یہ کہ، قوم پرستی (Nationalism) سیاسی جواز کا ایک ایسا نظریہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نسلی سرحدیں سیاسی سرحدوں کو نہ کاٹیں؛ اور خاص طور پر یہ کہ کسی بھی دی گئی ریاست کے اندر نسلی حدود، برسرِ اقتدار طبقے کو باقی عوام سے (نسل کے فرق کی بنیاد پر) الگ نہ کریں۔

قومیت سیاسی جواز کو قومی حدود کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ عالمگیریت اور خصوصیت کے ان دو رجحانات کے تقابلی مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اسلامی فکر انسانیت کو ایک وسیع اخلاقی اور روحانی دائرے میں مجتمع کرنے کی داعی ہے، جبکہ جدید قومیت قومی حدود اور مخصوص اجتماعی شناخت کے تحفظ کو بنیادی اہمیت عطا کرتی ہے۔ یہی امتیاز دونوں نظاموں کے سیاسی، تہذیبی اور سماجی تصورات میں گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

وفاداری اور وابستگی کے تصورات

انسانی معاشرت کی تشکیل میں وفاداری اور وابستگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی بھی اجتماعی نظام اس وقت تک استحکام حاصل نہیں کر سکتا جب تک افراد کے قلوب و اذہان میں کسی اعلیٰ تر مقصد، قدر یا اجتماعی وحدت کے ساتھ تعلق اور وابستگی کا احساس موجود نہ ہو۔ تاریخِ انسانی میں مختلف تہذیبوں اور سیاسی نظاموں نے وفاداری کے متنوع مراکز متعین کیے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں وفاداری کا سرچشمہ ایمان، اطاعتِ الٰہی اور دینی اخوت ہے، جبکہ جدید قومی ریاست میں قومی مفاد، سیاسی اقتدار اور ریاستی خودمختاری وفاداری کے بنیادی مراجع قرار پاتے ہیں۔ اسی فرق نے وابستگی، شناخت اور اجتماعی ذمہ داری کے مختلف تصورات کو جنم دیا جن کا

مطالعہ اسلامی اور مغربی افکار کے تقابلی جائزے میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید انسانی تعلقات کو ایمان، تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ دینی وابستگی کا مرکز اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان قرار پاتے ہیں۔

دینی ولایت اور ایمانی وابستگی کے بنیادی مرکز کی تعیین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔[33]

تمہارے سرپرست اور مددگار اللہ، اس کا رسول اور اہلِ ایمان ہیں۔

اس آیت کے مفہومِ ولایت کی تفسیری توضیح میں طبری، ابن کثیر اور مراغی کے اقوال یوں نقل ہوئے ہیں:

قال الطبري: أي: « ليس لكم، أها المؤمنون، ناصر إلا الله ورسوله» قال ابن كثير: «أي: ليس اليهود بأوليائكم، بل ولايتكم راجعة إلى الله ورسوله والمؤمنين» قال المراغي: « أي لا ولى لكم أيها المؤمنون ولا ناصر ينصركم إلا الله ورسوله والمؤمنون لصادقون»[34]

امام طبری فرماتے ہیں کہ: 'اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کے سوا تمہارا کوئی حقیقی مددگار نہیں ہے'۔ امام ابنِ کثیر فرماتے ہیں: 'یعنی یہود تمہارے کارساز نہیں ہو سکتے، بلکہ تمہاری وفاداری اور وابستگی صرف اللہ، اس کے رسول اور مومنین کی طرف لوٹتی ہے'۔ اور علامہ مراغی فرماتے ہیں: 'اے ایمان والو! تمہارا کوئی سرپرست اور ناصر نہیں جو تمہاری مدد کرے سوائے اللہ، اس کے رسول اور سچے اہلِ ایمان کے۔

ایمانی اخوت کو اہلِ ایمان کے باہمی تعلق کی اساس قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔[35]

یقیناً تمام مومن آپ میں بھائی بھائی ہیں۔

اہلِ ایمان کے باہمی اخوت، تعاون اور رحمت کے اوصاف کی توضیح کرتے ہوئے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں:

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَيْنَهُمْ أُخُوَّةٌ، وَمَوَدَّةٌ، وَتَعَاوُنٌ، وَتَرَاحُمٌ، وَيَتَّصِفُونَ بِالصِّفَاتِ الحَمِيدَةِ الَتِي يَأْمُرُهُمْ بِهَا دِينُهُمْ: فَيَتَنَاصَرُونَ وَيَتَعَاضَدُونَ وَيَفْعَلُونَ الخَيْرَ، وَيَأْمُرُونَ بِهِ، وَيَنْتَهُونَ عَنِ المُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ، وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤَدُّونَهَا حَقَّ أَدَائِهَا، وَيُؤَدُّونَ زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَى مُسْتَحِقِّيهَا، وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ فِيمَا أَمَرَ، وَيَتْرُكُونَ مَا نَهَى عَنْهُ وَزَجَرَ. وَالْمُتَّصِفُونَ بِهَذِهِ الصِّفَاتِ الطَّيِّبَةِ الْكَرِيمَةِ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللهُ عَزِيزُ الجَانِبِ، يُعِزُّ مَنْ يَشَاءُ، وَهُوَ حَكِيمٌ فِي قِسْمَتِهِ الصِّفَاتِ بَيْنَ خَلْقِهِ، فَجَعَلَ الْمُؤْمِنِينَ يَخْتَصُّونَ بِالصِّفَاتِ الحَمِيدَةِ، وَالْمُنَافِقِينَ يَخْتَصُّونَ بِالصِّفاتِ الذَمِيمَةِ الْمُنْكَرَةِ۔[36]

مومنین اور مومنات کے مابین (ایمانی) بھائی چارہ، محبت، تعاون اور باہمی رحم دلی پائی جاتی ہے، اور وہ ان تمام پسندیدہ صفات سے متصف ہوتے ہیں جن کا ان کا دین انہیں حکم دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کی مدد اور پشتیبانی کرتے ہیں، بھلائی کے کام خود بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اسے اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اپنے مالوں کی زکوٰۃ اس کے مستحقین تک پہنچاتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی ان تمام امور میں اطاعت کرتے ہیں جن کا انہوں نے حکم دیا ہے اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں جن سے انہوں نے منع فرمایا اور ڈانٹا ہے۔ پس جو لوگ ان پاکیزہ اور معزز صفات سے متصف ہوں گے، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں ضرور رحم فرمائے گا۔

ایمان کی تکمیل کو اپنے بھائی کے لیے خیر خواہی سے وابستہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔[37]

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اسلامی تصورِ وابستگی میں تعلق کی بنیاد کسی مادی یا نسلی رشتے کے بجائے اعتقادی اور اخلاقی اشتراک پر قائم ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں اجتماعی ذمہ داری اور باہمی نصرت کا وسیع دائرہ وجود میں آتا ہے۔ جدید مغربی سیاسی فکر میں وفاداری کا بنیادی مرکز قومی ریاست قرار پاتی ہے۔ ریاستی اقتدار، قومی مفادات، آئینی نظم اور جغرافیائی وحدت اجتماعی وابستگی کے نمایاں عناصر سمجھے جاتے ہیں۔ جدید قومیت کے ارتقا کے ساتھ سیاسی وفاداری کو مذہبی وابستگی سے الگ کر کے قومی ریاست کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

فرد، ریاست اور حاکمیت کے باہمی معاہداتی تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے ژاں ژاک روسو لکھتے ہیں:

"Each individual, in making a contract as we may say, with himself, is bound in a double capacity: as a member of the Sovereign, he is bound to the individuals, and as a member of the State to the Sovereign." [38]

ہر فرد، جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے ساتھ ایک معاہدہ کرتے ہوئے، دوہری حیثیت میں بندھ جاتا ہے: مقتدرِ اعلیٰ (Sovereign) کے ایک رکن کی حیثیت سے وہ دوسرے افراد کا پابند ہوتا ہے، اور ریاست کے ایک کارندے کی حیثیت سے وہ مقتدرِ اعلیٰ کا پابند ہوتا ہے۔

جدید قومیت میں قوم سے اعلیٰ ترین سیاسی وفاداری کے تصور کو بیان کرتے ہوئے ہنس کوہن لکھتے ہیں:

"The modern period of history, starting with the French Revolution, is characterized by the fact that in this period, and in this period alone, the nation demands the supreme loyalty of man, that all men, not only certain individuals or classes, are drawn into this common loyalty." [39]

تاریخ کا جدید دور، جس کا آغاز انقلابِ فرانس سے ہوتا ہے، اس حقیقت سے ممتاز ہے کہ اس دور میں، اور صرف اسی دور میں، قوم انسان سے اس کی اعلیٰ ترین اور مطلق وفاداری (supreme loyalty) کا تقاضا کرتی ہے؛ اور یہ کہ تمام انسان، نہ کہ صرف چند مخصوص افراد یا طبقات، اس مشترکہ وفاداری کے دائرے میں کھینچ لائے گئے ہیں۔

اسی فکری پس منظر میں قومی پرچم، آئین، سرحدیں، تاریخی یادداشت اور ریاستی ادارے اجتماعی وفاداری کے علامات و مظاہر کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ قومی وابستگی جدید ریاستی نظم کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ دینی وابستگی اور قومی شناخت کے تقابلی مطالعے سے دونوں تصورات کے مابین اصولی فرق نمایاں ہوتا ہے۔ اسلامی فکر میں وابستگی کی اساس ایمان اور امت ہے جبکہ قومی شناخت سرزمین، قوم اور مشترک سیاسی شعور کے گرد تشکیل پاتی ہے۔ دینی تعلق میں اتباع کو قربت و اولویت کا معیار قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ۔[40]

ابراہیمؑ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی۔

دینی اتباع کو قربت اور تعلق کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس قومی شناخت کے تصور میں اشتراکِ وطن، مشترک تاریخ اور ثقافتی شعور کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قوم کو گہری افقی رفاقت پر مبنی متخیلہ برادری قرار دیتے ہوئے بینیڈکٹ اینڈرسن لکھتے ہیں:

"Finally, it is imagined as a community, because, regardless of the actual inequality and exploitation that may prevail in each, the nation is always conceived as a deep, horizontal comradeship." [41]

آخری بات یہ کہ، قوم کا تصور ایک برادری کے طور پر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس معاشرے میں موجود مروجہ ناہمواری اور استحصال سے قطع نظر، قوم کو ہمیشہ ایک گہری اور افقی رفاقت (برابری کے بھائی چارے) کے طور پر ہی سمجھا جاتا ہے۔

قومیت اپنے ارکان کے درمیان گہری اجتماعی رفاقت پیدا کرتی ہے۔ فرد اور اجتماع کا تعلق اسلامی اور مغربی دونوں فکری روایتوں میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے، تاہم اس تعلق کی نوعیت اور مقاصد میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات فرد کو ایک ذمہ دار اخلاقی شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہیں جس کی انفرادی زندگی اجتماعی مصالح کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔

فرد کی اجتماعی ذمہ داری اور جوابدہی کے اصول کو جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔[42]

تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اسلامی تصور میں فرد اپنی آزادی برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی خیر، عدل اور اخلاقی ذمہ داری کا پابند رہتا ہے۔ اس کے برعکس جدید قومی ریاست میں فرد اور اجتماع کا تعلق شہریت، قانونی فرائض اور سیاسی وفاداری کے اصولوں کے تحت منظم کیا جاتا ہے۔ اس تقابلی جائزے سے فرد اور اجتماع کے تعلق کی دو مختلف جہات سامنے آتی ہیں۔ اسلامی فکر میں یہ تعلق اخلاقی ذمہ داری، دینی اخوت اور اجتماعی خیر کے اصولوں سے عبارت ہے، جبکہ جدید قومیت میں شہریت، سیاسی نظم اور قومی وفاداری اس تعلق کے بنیادی عناصر کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ ان دونوں تصورات کے فکری ماخذ اور مقاصد ان کے عملی مظاہر اور اجتماعی نتائج کو بھی مختلف سمتوں میں متعین کرتے ہیں۔

قرآنی اور مغربی تصورِ قومیت کے بنیادی امتیازات

اجتماعی زندگی کے مختلف تصورات کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ انسانی معاشروں کی تشکیل اور ان کی فکری سمت کا تعین ان اصولوں سے ہوتا ہے جن پر ان کی اجتماعی شناخت قائم ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اجتماعیت کا سرچشمہ وحیِ الٰہی، ایمان اور اخلاقی ذمہ داری ہے، جبکہ مغربی قومیت کا ارتقا تاریخی، سیاسی اور سماجی عوامل کے زیرِ اثر وقوع پذیر ہوا۔ اسی بنا پر دونوں تصورات کے مقاصد، حدود، اقدار اور بین الاقوامی تعلقات کے تصورات میں نمایاں فرق دکھائی دیتا ہے۔ یہ اختلاف محض نظری سطح تک محدود نہیں بلکہ سیاسی رویوں، معاشرتی ترجیحات اور عالمی روابط کے پورے نظام کو متاثر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآنی اور مغربی تصورِ قومیت کے بنیادی امتیازات کا مطالعہ دونوں فکری روایتوں کی داخلی ساخت اور عملی نتائج کو سمجھنے کے لیے ناگزیر اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی تصورِ اجتماع کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی، عدل کے قیام، اخلاقی تزکیے اور انسانی فلاح کا حصول ہے۔

امت کی اجتماعی ذمہ داری میں دعوتِ خیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔[43]

اور تم میں ایسی جماعت موجود رہنی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

اس آیت میں اجتماعی دعوت و اصلاح کے فریضے کی توضیح کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقول تعالى: ولتكن منكم أمة منتصبة للقيام بأمر الله، في الدعوة إلى الخير، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وأولئك هم المفلحون. قال الضحاك: هم خاصة الصحابة، وخاصة الرواة، يعني: المجاهدين والعلماء۔[44]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور تم میں سے ایک ایسی جماعت (امت) ہونی چاہیے جو اللہ کے حکم کو قائم کرنے، بھلائی کی طرف بلانے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے یکسو (مامور) ہو؛ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ امام ضحاکؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد خاص طور پر صحابہ کرام اور خاص طور پر (دین کے) رواۃ (راوی اور محافظ) ہیں، یعنی مجاہدین اور علمائے کرام۔

چنانچہ یہ تفسیری اصول واضح کرتا ہے کہ اسلامی اجتماعیت (امت) کے اندر سیاسی و سماجی قیادت کا حقیقی منصب اور جوازِ اقتدار کسی مخصوص نسل، زبان یا مٹی کے تحفظ سے نہیں، بلکہ دعوتِ خیر اور امر بالمعروف کے الٰہی فریضے کو برپا کرنے سے مشروط ہے۔ یہ جدید وطنی قومیت کے بالکل برعکس ہے، جہاں مقتدر طبقے (power-holders) کا واحد مقصد کسی مخصوص جغرافیائی نسل کے مادی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے، خواہ وہ اخلاقی اصولوں سے عاری ہی کیوں نہ ہو۔ اس آیت میں اسلامی امت کے قیام کا عظیم مقصد مضمر ہے۔ امتِ مسلمہ کی خیر و فضیلت اور انسانی خدمت کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔[45]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے۔

امتِ مسلمہ کی دیگر امتوں پر فضیلت کے مفہوم کی تفسیر کرتے ہوئے امام شوکانی لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ هَذَا كَلَامٌ مُسْتَأْنَفٌ، يَتَضَمَّنُ بَيَانَ حَالِ هَذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْفَضْلِ عَلَى غَيْرِهَا مِنَ الْأُمَمِ، وَكَانَ، قِيلَ: هِيَ التَّامَّةُ، أَيْ: وُجِدْتُمْ وَخُلِقْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، وَمِثْلُهُ مَا أَنْشَدَهُ سِيبَوَيْهِ۔[46]

اس امت کی فضیلت انسانی معاشرے کی اصلاح اور عام نفع رسانی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کے برعکس جدید قومیت میں اجتماعی مقصد کا محور قومی مفادات، سیاسی خودمختاری، ریاستی استحکام اور قومی ترقی قرار پاتا ہے۔ سیاسی اور قومی وحدت کی مطابقت کو قوم پرستی کا بنیادی اصول قرار دیتے ہوئے ارنسٹ گلنر لکھتے ہیں:

"Nationalism is primarily a political principle, which holds that the political and the national unit should be congruent." [47]

قومیت کی بنیادی دلچسپی قوم اور ریاست کے باہمی انطباق کو برقرار رکھنے میں ہوتی ہے۔

ہنس کوہن کے مطابق جدید قومیت کا بنیادی مقصد قومی وحدت اور سیاسی اقتدار کا تحفظ ہے۔ اسلامی اجتماعیت اخلاقی و روحانی مقاصد کے گرد استوار ہوتی ہے جبکہ جدید قومیت ریاستی مفاد اور قومی بقا کو مرکزیت عطا کرتی ہے۔ اسلامی تصورِ امت کی حدود عقیدہ اور ایمان سے متعین ہوتی ہیں۔ رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ اس کے قیام میں فیصلہ کن عنصر کی حیثیت نہیں رکھتے۔ امت کی وحدت کو ایک مشترک دینی ملت اور ربوبیت سے وابستہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الأنبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔[48]

بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو میری عبادت کرو۔

لفظِ امت کو ملتِ اسلامیہ کی وحدت سے مربوط کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

الْأُمَّةُ الْمِلَّةُ وَهُوَ إِشَارَةٌ إِلَى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ، أَيْ أَنَّ مِلَّةَ الْإِسْلَامِ هِيَ مِلَّتُكُمُ الَّتِي يَجِبُ أَنْ تَكُونُوا عَلَيْهَا

يُشَارُ إِلَيْهَا بِمِلَّةٍ وَاحِدَةٍ غَيْرِ مُخْتَلِفَةٍ، وَأَنَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاعْبُدُونِ، وَنَصَبَ الْحَسَنُ (أُمَّتَكُمْ) عَلَى الْبَدَلِ مِنْ هَذِهِ وَرَفَعَ أُمَّةٌ خَبَرًا وَعَنْهُ رَفْعُهُمَا جَمِيعًا خَبَرَيْنِ أَوْ نَوَى لِلثَّانِي الْمُبْتَدَأَ۔[49]

یہاں لفظِ امت سے مراد "ملت" ہے اور یہ ملتِ اسلامیہ کی طرف اشارہ ہے؛ یعنی ملتِ اسلامیہ ہی تمہاری وہ واحد ملت ہے جس پر تمہارا قائم رہنا واجب ہے، اور اس کی طرف ایسی "ملتِ واحدہ" کے طور پر اشارہ کیا گیا ہے جس میں کوئی اختلاف اور تفرقہ نہیں ہے۔ اور (آگے فرمایا) میں ہی تمہارا معبود ہوں جو کہ اکیلا معبود ہے، پس میری ہی عبادت کرو۔ اور امام حسن بصریؒ نے لفظِ (امتکم) کو "ہذہ" سے بدل ہونے کی بنا پر منسوب (زبر کے ساتھ) پڑھا ہے اور "امۃ" کو خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع (پیش کے ساتھ) پڑھا ہے، جبکہ ان سے ایک روایت دونوں کو مرفوع پڑھنے کی بھی ہے، یا تو دونوں کو خبر مان کر یا دوسرے لفظ کے لیے مبتدا کو محذوف مان کر۔

اسلامی تاریخ میں مختلف نسلوں، زبانوں اور خطوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایک ہی امت کا حصہ سمجھے جاتے رہے، جس سے اجتماعیت کی حدود جغرافیائی سرحدوں سے بلند تر سطح پر قائم ہوئیں۔ اس کے برعکس جدید قومیت کی حدود عموماً قومی سرزمین، سیاسی اقتدار اور ریاستی دائرۂ اختیار سے وابستہ ہوتی ہیں۔ قومی شناخت کو تاریخی سرزمین، مشترک یادداشت، ثقافت، معیشت اور قانونی حقوق سے متعین کرتے ہوئے انتھونی ڈی اسمتھ لکھتے ہیں:

"A nation, it was argued, is a named human population sharing an historic territory, common myths and historical memories, a mass, public culture, a common economy and common legal rights and duties for all members." [50]

یہ دلیل دی گئی ہے کہ قوم سے مراد ایک نامزد انسانی آبادی ہے جو ایک تاریخی خطہ زمین (جغرافیہ)، مشترکہ اساطیر (روایات) اور تاریخی یادداشتوں، ایک ہمہ گیر عوامی ثقافت، ایک مشترکہ معیشت، اور اپنے تمام ارکان کے لیے یکساں قانونی حقوق اور فرائض میں شراکت دار ہو۔

بینڈکٹ اینڈرسن کے نزدیک قومی برادری اپنی فطرت کے اعتبار سے محدود حدود کی حامل ہوتی ہے کیونکہ ہر قوم اپنی متعین سرحدوں کا تصور رکھتی ہے۔ اس تقابل میں اسلامی اجتماعیت عالمگیر دائرے کی حامل دکھائی دیتی ہے جبکہ قومی اجتماعیت جغرافیائی اور سیاسی حدود کے اندر منظم ہوتی ہے۔ اسلامی اجتماعیت میں عدل، تقویٰ، اخوت، امانت، مساوات اور انسانی کرامت بنیادی اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عدل واحسان کو اسلامی اجتماعی اخلاق کی بنیادی قدر قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النحل میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔[51]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل کو عمرانی استحکام اور معاشرتی اصلاح کی بنیاد قرار دیتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

العدل أساس العمران وصلاح المجتمعات۔[52]

عدل معاشرتی استحکام اور انسانی آبادیوں کی فلاح کا بنیادی ستون ہے۔

انسانی کرامت کی عمومی اور بنیادی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الإسراء میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔[53]

یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اسلامی اجتماعی نظام میں دینی اور اخلاقی اقدار ریاستی و معاشرتی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں جدید قومیت میں قومی مفاد، ریاستی اقتدار، سیاسی خودمختاری اور قومی سلامتی کو نمایاں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ قوم کو مشترک تاریخی یادداشت اور موجودہ اجتماعی رضامندی سے تشکیل پانے والا روحانی اصول قرار دیتے ہوئے ارنسٹ رینان لکھتے ہیں:

"A nation is a soul, a spiritual principle. Two things, which in truth are but one, constitute this soul or spiritual principle. One lies in the past, one in the present. One is the possession in common of a rich legacy of memories; the other is present-day consent, the desire to live together, the will to perpetuate the value of the heritage that one has received in an undivided form." [54]

قوم ایک روح ہے، ایک روحانی اصول ہے۔ دو چیزیں، جو حقیقت میں ایک ہی ہیں، اس روح یا روحانی اصول کو تشکیل دیتی ہیں۔ ایک کا تعلق ماضی سے ہے، اور دوسری کا حال سے۔ ایک ماضی کی یادوں کے متمول اور مشترکہ ورثے کا باہمی قبضہ ہے؛ اور دوسری موجودہ دور کی باہمی رضامندی، اکٹھے رہنے کی خواہش، اور اس غیر منقسم ورثے کی قدر و قیمت کو مستقل قائم رکھنے کا وہ عزم ہے جو انسان کو نسل در نسل منتقل ہوا ہے۔

جدید قومی ریاستوں میں اقدار کا تعین اکثر قومی مفاد، آئینی ڈھانچے اور سیاسی ترجیحات کے مطابق ہوتا ہے، جبکہ اسلامی اجتماعیت میں اخلاقی اصول اور الٰہی ہدایات بنیادی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں انسانی تعلقات کا دائرہ پوری انسانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ انسانی نسل کی وحدتِ اصل اور مشترک انسانی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ۔[55]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا۔

رسالتِ محمدی ﷺ کی آفاقی رحمت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الأنبیاء میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔[56]

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رسالتِ محمدی ﷺ کے عالمگیر مقصدِ رحمت کی توضیح کرتے ہوئے علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:

الرسالة المحمدية جاءت لتحقيق الرحمة العامة للإنسانية۔[57]

رسالتِ محمدی ﷺ پوری انسانیت کے لیے عمومی رحمت کے قیام کے مقصد سے آئی ہے۔

انسانی معاشرے کو عدل اور باہمی ذمہ داری سے بندھی ایک اخلاقی برادری کے طور پر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

"Islam envisages humanity as a single moral community bound together by justice and mutual responsibility." [58]

اسلام پوری انسانیت کو عدل اور باہمی ذمہ داری کے رشتے میں منسلک ایک اخلاقی برادری کے طور پر دیکھتا ہے۔

اس کے بالمقابل جدید قومیت میں بین الاقوامی تعلقات کا بنیادی مرکز قومی مفادات اور ریاستی خودمختاری ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تعاون اگرچہ تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم اس کی بنیاد عموماً قومی مفادات کے تحفظ اور سیاسی توازن پر استوار ہوتی ہے۔ اس تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصورِ اجتماعیت عالمی انسانی اخوت، اخلاقی ذمہ داری اور عدلِ عام کی بنیاد پر انسانی تعلقات کو استوار کرتا ہے، جبکہ جدید قومیت قومی مفاد، ریاستی خودمختاری اور سیاسی ترجیحات کے تناظر میں بین الاقوامی روابط کی تشکیل کرتی ہے۔ یہی فرق دونوں نظاموں کے عالمی کردار، تہذیبی رویوں اور سیاسی ترجیحات کو مختلف سمتوں میں متعین کرتا ہے۔

حاصلِ بحث

قومیت جدید سیاسی و سماجی فکر کا ایک نہایت مؤثر اور ہمہ گیر تصور ہے، جس نے انسانی اجتماع، اجتماعی شناخت، سیاسی وابستگی، ریاستی حاکمیت اور معاشرتی نظم و تنظیم کی تشکیل میں گہرا اثر ڈالا ہے۔ عصرِ حاضر میں قومی ریاست کے فروغ کے ساتھ قومیت کا تصور نہ صرف سیاسی نظریات کا بنیادی موضوع بن چکا ہے بلکہ انسانی شناخت، باہمی تعلقات اور اجتماعی وفاداری کے تعین میں بھی اسے مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ قرآنی تصورِ اجتماع و اجتماعی شناخت کو "اُمت، ایمان، انسانی مساوات، اخلاقی ذمہ داری، عدل، اخوت اور انسانی تنوع" جیسے بنیادی تصورات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، جب کہ مغربی تصورِ قومیت کا جائزہ "سرزمین، زبان، مشترکہ تاریخ، ثقافتی حافظے، سیاسی حاکمیت اور قومی شناخت" جیسے عناصر کے تناظر میں لیا گیا ہے۔ تحقیق میں تقابلی و تجزیاتی منہج اختیار کرتے ہوئے دونوں تصورات کے فکری سرچشموں، بنیاد ہائے اتحاد، معیارِ امتیاز، اصولِ وابستگی اور ان کے سماجی و سیاسی مضمرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تحقیق کے نتائج سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی تصورِ اجتماعی شناخت کی اساس محض جغرافیائی، نسلی، لسانی یا تاریخی اشتراک پر نہیں بلکہ "وحی، ایمان، اخلاقی اقدار، عدل، انسانی مساوات اور کرامتِ انسانی" جیسے آفاقی اصولوں پر قائم ہے۔ قرآن مجید انسانی تنوع کو ایک فطری اور قابلِ اعتراف حقیقت قرار دیتے ہوئے اجتماعی زندگی کو اخلاقی ذمہ داری اور عدل و احسان کے تقاضوں سے مربوط کرتا ہے۔ اس کے برخلاف جدید مغربی قومیت کی تشکیل میں سرزمین، زبان، مشترکہ تاریخی تجربات، ثقافتی شعور اور سیاسی خودمختاری جیسے عوامل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، جن سے قومی تشخص اور ریاستی وابستگی کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں تصورات کا مقصد انسانی اجتماع کو نظم، وحدت اور باہمی وابستگی فراہم کرنا ہے، تاہم ان کے "مآخذ، مقاصد، تصورِ حاکمیت، بنیادِ شناخت اور دائرۂ وابستگی" میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ قرآنی تصور میں اجتماعیت کو اخلاقی و روحانی اقدار اور عالمگیر انسانی ذمہ داری کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے، جب کہ جدید مغربی قومیت میں قومی ریاست اور اس کی سیاسی خودمختاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس اعتبار سے یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ قرآنی تصورِ اجتماع محض ایک محدود قومی شناخت کی تشکیل نہیں کرتا بلکہ ایمان، عدل، اخوت اور انسانی کرامت کی بنیاد پر ایک ایسے وسیع تر اجتماعی تصور کی رہنمائی کرتا ہے جو انسانی تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے اخلاقی وحدت اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دیتا ہے۔

References

1 Al-Qurʾān, 49:13.

2 Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn Muḥammad ibn ʿUmar ibn al-Ḥusayn al-Rāzī, *al-Tafsīr al-Kabīr (Mafātīḥ al-Ghayb)* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1420 AH), 28:108.

3 Al-Qurʾān, 21:92.

4 Hamidullah, Muhammad, *Muslim Conduct of State* (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1977), p. 40.

5 Al-Qurʾān, 12:40.

6 Ibn Kathīr, Ismāʿīl ibn ʿUmar ibn Kathīr al-Dimashqī, *Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1998), 4:398.

7 Rousseau, Jean-Jacques, *The Social Contract* (London: Penguin Books, 1968), p. 176.

8 Al-Qurʾān, 49:10.

9 Al-Biqāʿī, Burhān al-Dīn Abū al-Ḥasan Ibrāhīm ibn ʿUmar ibn Ḥasan al-Ribāṭī al-Biqāʿī, *Naẓm al-Durar fī Tanāsub al-Āyāt wa-al-Suwar* (Hyderabad Deccan: Dāʾirat al-Maʿārif al-ʿUthmāniyyah, 1984), 19:28.

10 Al-Qurʾān, 3:103.

11 Al-Saʿdī, Isḥāq ibn ʿAbd Allāh al-Saʿdī, *Dirāsāt fī Tamayyuz al-Ummah al-Islāmiyyah wa-Mawqif al-Mustashriqīn Minhū* (Doha: Wizārat al-Awqāf wa-al-Shuʾūn al-Islāmiyyah, 2013), 1:435.

12 Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl ibn Ibrāhīm ibn al-Mughīrah al-Juʿfī, *al-Ṣaḥīḥ* (Damascus: Dār Ibn Kathīr, 2002), ḥadīth no. 6011.

13 Gellner, Ernest, *Nations and Nationalism* (Oxford: Blackwell Publishers, 1983), p. 1.

14 Kohn, Hans, *The Idea of Nationalism* (New York: Macmillan, 1944), p. 13.

15 Smith, Anthony D., *National Identity* (London: Penguin Books, 1991), p. 14.

16 Al-Qurʾān, 59:9.

17 Stalin, Joseph, *Marxism and the National Question* (Moscow: Foreign Languages Publishing House, 1953), p. 11.

18 Hamidullah, *Introduction to Islam* (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1979), p. 177.

19 Al-Qurʾān, 49:13.

20 ʿAwdah, ʿAbd al-Qādir, *al-Islām wa-Awḍāʿunā al-Siyāsiyyah* (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1981), p. 277.

21 Aḥmad ibn Ḥanbal, Aḥmad ibn Muḥammad ibn Ḥanbal al-Shaybānī, *al-Musnad* (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 2001), 38:474.

22 ʿAwdah, *al-Islām wa-Awḍāʿunā al-Siyāsiyyah*, p. 277.

23 Smith, *National Identity*, p. 40.

24 Kohn, *The Idea of Nationalism*, p. 16.

25 Herder, Johann Gottfried, *Reflections on the Philosophy of the History of Mankind* (Chicago: University of Chicago Press, 1968), p. 308.

26 Al-Qurʾān, 30:22.

27 Al-Qarnī, ʿAlī ibn ʿAbd al-Khāliq al-Qarnī, *Durūs al-Shaykh ʿAlī al-Qarnī* (Tafrīgh al-Ṣawtiyyāt: Mawqiʿ al-Shabakah al-Islāmiyyah, n.d.), 1:16.

28 Anderson, Benedict, *Imagined Communities* (London: Verso, 2006), p. 145.

29 Al-Qurʾān, 34:28.

30 Al-Ālūsī, Maḥmūd ibn ʿAbd Allāh al-Ālūsī, *Rūḥ al-Maʿānī* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1994), 11:158.

31 Al-Qurʾān, 21:107.

32 Gellner, *Nations and Nationalism*, p. 1.

33 Al-Qurʾān, 5:55.

34 Ḥamad, ʿAbd Allāh Khiḍr Ḥamad, *al-Kifāyah fī al-Tafsīr bi-al-Maʾthūr wa-al-Dirāyah* (Beirut: Dār al-Qalam, 2017), p. 63.

35 Al-Qurʾān, 49:10.

36 Al-Jaṣṣāṣ, Aḥmad ibn ʿAlī al-Rāzī al-Jaṣṣāṣ, *Aḥkām al-Qurʾān* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1994), 5:293.

37 Al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 13.

38 Rousseau, *The Social Contract*, p. 12.

39 Kohn, *The Idea of Nationalism*, p. 12.

40 Al-Qurʾān, 3:68.

41 Anderson, *Imagined Communities*, p. 7.

42 Al-Bukhārī, *al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 893.

43 Al-Qurʾān, 3:104.

44 Ibn Kathīr, *Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm*, 2:91.

45 Al-Qurʾān, 3:110.

46 Al-Shawkānī, Muḥammad ibn ʿAlī ibn Muḥammad al-Shawkānī, *Fatḥ al-Qadīr* (Beirut: Dār Ibn Kathīr, 1994), 1:388.

47 Gellner, *Nations and Nationalism*, p. 1.

48 Al-Qurʾān, 21:92.

49 Al-Rāzī, *Mafātīḥ al-Ghayb*, 22:178.

50 Smith, *National Identity*, p. 40.

51 Al-Qurʾān, 16:90.

52 Al-Ālūsī, *Rūḥ al-Maʿānī*, 7:421.

53 Al-Qurʾān, 17:70.

54 Renan, Ernest, *What Is a Nation?* (London: Walter Scott Publishing, 1882), p. 19.

55 Al-Qurʾān, 4:1.

56 Al-Qurʾān, 21:107.

57 Ibn ʿĀshūr, Muḥammad al-Ṭāhir ibn Muḥammad ibn Muḥammad al-Ṭāhir ibn ʿĀshūr, *al-Taḥrīr wa-al-Tanwīr* (Tunis: al-Dār al-Tūnisiyyah li-al-Nashr, 1984), 17:108.

58 Hamidullah, *Introduction to Islam*, p. 185.